تفسیر نور العرفان (قسط ⑨)

غلام مصطفی ظہیر امن پوری

① مفتی احمد یار خان نعیمی صاحب سورت مائدہ (۲۱) کے تحت لکھتے ہیں:

''اس آیت سے معلوم ہوا کہ جس زمین میں بزرگان دین کے مزارات ہوں، وہ شہر اور تمام علاقہ مقدس اور پاک ہو جاتا ہے، کیونکہ رب نے شام کو اس لیے مقدس فرمایا، کہ وہاں انبیا کرام کے مزارات ہیں، لہٰذا بغداد، اجمیر وسرہند کو شریف کہنا، مکہ کو معظّمہ اور مدینہ کو منورہ کہنا بہت بہتر ہے۔''

(تفسیر نور العرفان، ص176)

❀ نیز سورت نساء (۱۵۴) کے تحت لکھتے ہیں:

''معلوم ہوا کہ بزرگوں کے شہر کی تعظیم چاہیے، کیونکہ یہ شہر اریحاء کا دروازہ تھا، جس میں انبیاء کرام کے مزارات تھے۔''

(تفسیر نور العرفان، ص162)

قرآن مقدس نے پاک اور مبارک قطع ارض کا ذکر کیا، جو شرک اور کفر سے پاک تھا۔ لیکن ارض مقدس کی تعیین میں مختلف اقوال ذکر ہوئے ہیں۔ قطعیت کے ساتھ اس سے بلاد شام مراد لینا درست نہیں۔ اس بارے میں قتادہ کا قول (تفسیر طبری: ۸/۲۸۵) ضعیف ہے، معمر بن راشد کی روایت قتادہ سے ضعیف ہوتی ہے۔

❀ امام محمد بن جریر طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

أَوْلَى الْأَقْوَالِ فِي ذٰلِكَ بِالصَّوَابِ، أَنْ يُقَالَ : هِيَ الْأَرْضُ الْمُقَدَّسَةُ كَمَا قَالَ نَبِيُّ اللّٰهِ مُوسٰى صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، لِأَنَّ الْقَوْلَ فِي ذٰلِكَ بِأَنَّهَا أَرْضٌ دُونَ أَرْضٍ، لَا تُدْرَكُ حَقِيقَةُ صِحَّتِهِ إِلَّا بِالْخَبَرِ وَلَا خَبَرَ بِذٰلِكَ يَجُوزُ قَطْعُ الشَّهَادَةِ بِهٖ غَيْرَ أَنَّهَا لَنْ تَخْرُجَ مِنْ أَنْ تَكُونَ مِنَ الْأَرْضِ الَّتِي بَيْنَ الْفُرَاتِ وَعَرِيشِ مِصْرَ لِإِجْمَاعِ جَمِيعِ أَهْلِ التَّأْوِيلِ وَالسِّيَرِ وَالْعُلَمَاءِ بِالْأَخْبَارِ عَلٰى ذٰلِكَ .

''اس آیت کی سب سے بہترین تفسیر یہ ہے کہ کہا جائے: یہ مقدس زمین۔ جیسا کہ نبی اللہ موسیٰ علیہ السلام نے کہا ہے۔ کیونکہ اس کے متعلق یہ کہنا کہ یہ فلاں زمین ہے، فلاں نہیں ہے۔ اس کی صحیح حقیقت تک حدیث سے ہی پہنچا جا سکتا ہے، جبکہ اس بارے میں کوئی حدیث نہیں ہے، کہ جو قطعی الشہادت ہو۔ البتہ اس مقدس زمین کی حدود فرات اور شہر مصر کے درمیانی علاقے سے باہر نہیں، کیونکہ تمام مفسرین، مؤرخین اور محدثین کا اس پر اجماع ہے۔''

(تفسير الطّبري : 286/8)

یہ کہنا کہ ارض مقدس کو اس لیے ارض مقدس کہا گیا، کہ وہاں انبیا علیہم السلام کے مزارات ہیں، بے بنیاد بات ہے۔ ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے علاوہ کسی نبی کی قبر کا علم نہیں دیا گیا۔ نبیوں کی قبروں کو عبادت گاہیں، سجدہ گاہیں اور مزارات بنانا کفار کا شیوہ ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قبر کے حوالے سے یہی فکر لاحق تھی کہ آپ کی قبر کو مزار نہ بنا لیا جائے۔

❁ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تَجْعَلُوا قَبْرِي عِيدًا .

''میری قبر کو میلہ گاہ نہ بنانا۔''

(مسند الإمام أحمد : 368/2، سنن أبي داوٗد : 2042، واللّفظ لهٗ، وسندهٗ حسنٌ)

حافظ نووی رحمہ اللہ (الاذکار ص ۱۰۶، خلاصۃ الاحکام: ۱/۴۴۰) اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (فتح الباری: ۶/ ۴۸۸) نے اس کی سند کو ''صحیح'' قرار دیا ہے۔

❁ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا إِسْنَادٌ حَسَنٌ، فَإِنَّ رُوَاتَهٗ كُلَّهُمْ ثِقَاتٌ مَّشَاهِيرٌ .

''اس کی سند حسن ہے، اس کے تمام راوی مشہور ثقہ ہیں۔''

(اقتضاء الصّراط المستقيم : 654/2)

(۲) مفتی صاحب سورت مائدہ (۲۳) کے تحت لکھتے ہیں:

''اس میں غیب کی خبر ہے، معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اولیاء اللہ کو علم غیب عطا فرماتا ہے، کیونکہ یہ دونوں حضرات اس وقت ولی تھے۔''

(تفسیر نور العرفان، ص176)

یہ آیت کی معنوی تحریف ہے۔ اس میں غیب کی خبر کی کوئی بات نہیں۔

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو جہاد کی دعوت تھی، تو ان کی حوصلہ افزائی کے لیے قوم موسیٰ کے ہی دو بزرگوں نے فرمایا کہ اے لوگو! اگر آپ اللہ پر بھروسا کرو، موسیٰ علیہ السلام کی بات مانو اور جنگی حکمت عملی اپنا لو، تو آپ کو فتح نصیب ہوگی، دشمن شکست خوردہ ہو جائے گا۔ مگر یہ نصیحتیں قوم موسیٰ پر کارگر ثابت نہ ہو سکیں اور انہوں نے

موسیٰ علیہ السلام کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔

علم غیب اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے، کسی مخلوق کو علم غیب حاصل نہیں۔ یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیا کو علم غیب عطا فرمایا، اس پر کوئی دلیل نہیں۔ بلکہ اس کی نفی پر دلائل موجود ہیں۔

③ مفتی صاحب لکھتے ہیں:

''جب آدم علیہ السلام حج کے لیے گئے......۔''

(تفسیر نور العرفان، ص177)

آدم علیہ السلام کے حج کرنے پر کیا دلیل ہے؟

④ مفتی صاحب سورت مائدہ (۱۹) کے تحت لکھتے ہیں:

''اس سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ساری اہل کتاب اُمتوں کے نبی ہیں، کیونکہ حضور سارے انسانوں، بلکہ ساری مخلوق الٰہی کے نبی ہیں۔''

(تفسیر نور العرفان، ص175)

❁ نیز سورت نساء (۷۹) کے تحت لکھتے ہیں:

''اولین و آخرین سارے انسانوں کے آپ نبی ہیں۔ از آدم تا یوم قیامت سب انسان آپ کے امتی ہیں۔ اسی لیے رب نے نبیوں سے حضور کی اطاعت و ایمان کا عہد لیا ہے اور معراج میں سب نبیوں نے حضور کے پیچھے نماز پڑھی۔''

(تفسیر نور العرفان، ص142)

یہ غلو و الحاد ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری اُمت میں مبعوث کیا گیا۔ وہ اُمت محمدیہ ہے۔ اس اُمت سے پہلے اہل کتاب اُمتوں میں اپنے اپنے نبی مبعوث ہوئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد ان کی شریعتیں منسوخ ہو گئیں۔ یہ کہنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انسانوں، بلکہ ساری مخلوق الٰہی کے نبی ہیں، عقائد اسلامیہ کے منافی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت انسانوں

اور جنات میں ہوئی۔

انبیا کی اطاعت وایمان سے مراد یہ ہے کہ اگر تمام انبیائے کرام کے ہوتے ہوئے نبی کریم ﷺ مبعوث ہو جائیں، تو ان سب کے لیے ضروری ہے کہ نبی کریم ﷺ پر ایمان لے آئیں اور آپ کے دین کی نصرت فرمائیں۔ سفر معراج میں انبیا کا نبی کریم ﷺ کی اقتدا میں نماز ادا کرنے سے کیا یہ لازم آتا ہے کہ تمام انبیا نبی کریم ﷺ کے امتی بن گئے؟ نبی کریم ﷺ کو خود چالیس سال کی عمر میں نبوت ملی، اس سے پہلے آپ نبی نہ تھے، تو پہلی امتوں کے نبی کیسے؟ تمام انبیا کو نبی کریم ﷺ کا اُمتی قرار دینا اہل سنت کا عقیدہ نہیں۔

⑤ مفتی صاحب لکھتے ہیں:

''حضور اکرم ﷺ مظہر صفات، مظہر ذات، مظہر احکام واخبار ہیں۔''

(تفسیر نور العرفان، ص 174)

نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا مظہر قرار دینا، گمراہ کن نظریہ ہے۔ اہل سنت والجماعت میں سے کسی کا یہ نظریہ نہیں ہے۔

⑥ مفتی صاحب لکھتے ہیں:

''حضور اللہ کا نور اس طرح ہیں کہ آپ ذات باری تعالیٰ سے پہلے فیض پانے والے اور آپ کے ذریعہ سے دوسرے لوگ فیض لینے والے ہیں۔''

(تفسیر نور العرفان، ص 174)

نبی کریم ﷺ کو اس معنی میں اللہ کا نور قرار دینا کہ ذات باری تعالیٰ سے پہلے فیض پانے والے ہیں، واضح الحاد اور مبنی بر غلو نظریہ ہے۔

⑦ مفتی صاحب سورت مائدہ (۹) کے تحت لکھتے ہیں:

''اس آیت سے دو مسئلے معلوم ہوئے، ایک یہ کہ اعمال پر ایمان مقدم ہے کہ ایمان کا ذکر پہلے ہوا ہے، دوسرے یہ کہ ایمان کے ساتھ نیک اعمال بھی ضروری ہیں۔''

(تفسیر نور العرفان، ص154، 172)

ایمان کے ساتھ اس کے لازمی جزو اعمال کا ذکر کیا، یہ کہنا کہ ایمان کے ساتھ نیک اعمال بھی ضروری ہیں۔ درست نہیں۔ درست یہ ہے کہ اعمال ایمان ہیں۔

⑧ مفتی صاحب سورت مائدہ (۱۱) کے تحت لکھتے ہیں:

''معلوم ہوا کہ اللہ کی نعمت یاد کرنا حکم ربانی ہے، محفل میلاد شریف میں بھی اللہ کی بڑی نعمت کی یاد کی جاتی ہے، کیونکہ حضور اکرم ﷺ کی ولادت رب کی سب سے بڑی نعمت ہے۔''

(تفسیر نور العرفان، ص173)

بے شک اللہ کی نعمت یاد کرنا حکم ربانی ہے اور نبی کریم ﷺ کی ولادت باسعادت بھی بہت بڑی نعمت ہے، اسی طرح نبی کریم ﷺ کی بعثت بہت بڑی نعمت ہے۔ نبی کریم ﷺ پر قرآن کریم کا نزول بہت بڑی نعمت ہے۔ مگر نعمت یاد کرنے کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ہم بدعات وخرافات کو دین بنالیں۔ صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور ائمہ دین اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرتے تھے، انہوں نے کبھی بھی محفل میلاد کا انعقاد نہیں کیا، بلکہ علمائے حق نے محفل میلاد کو بدعت قرار دیا۔ نبی کے یوم ولادت کو محفل میلاد منعقد کرنا عیسائیوں کا وطیرہ ہے۔ ہمیں اہل کتاب کی مشابہت سے منع کیا گیا ہے۔

⑨ مفتی صاحب سورت مائدہ (۱۲) کے تحت لکھتے ہیں:

’’معلوم ہوا کہ نبی کی تعظیم ایسی اہم عبادت ہے کہ رب نے اس کا عہد لیا، اس تعظیم میں کوئی قید نہیں، لہٰذا ہر وہ تعظیم، جو شرعاً حرام نہ ہو، وہ کی جائے، انہیں سجدہ نہ کرو، انہیں خدا یا خدا کا بیٹا نہ کرو، باقی جس قدر تعظیم ممکن ہو، کرو۔ ہر تعظیم ثواب ہے، اس میں نقل اور روایت کی ضرورت نہیں۔‘‘

(تفسیر نور العرفان، ص173)

بے شک ہم پر نبی کریم ﷺ کی تعظیم واجب ہے، لیکن اس تعظیم کی حدود و قیود متعین ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی تعظیم اسی طرح بجالائی جائے گی، جس طرح صحابہ اور اسلاف امت نے آپ کی تعظیم کی۔ یہ کہنا کہ اس میں نقل اور روایت کی ضرورت نہیں، درست نہیں۔ اس سے آپ کی تعظیم میں غلو آجائے گا۔ غلو کسی بھی قوم کی تباہی و بربادی کے لیے کافی ہے۔

❁ علامہ بشیر احمد سہسوانی رحمہ اللہ (۱۳۲۶ھ) فرماتے ہیں:

نَحْنُ مَعَاشِرَ أَهْلِ الْحَدِيثِ نُعَظِّمُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِكُلِّ تَعْظِيمٍ جَاءَ فِي الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ الثَّابِتَةِ، سَوَاءً كَانَ ذٰلِكَ التَّعْظِيمُ فِعْلِيًّا أَوْ قَوْلِيًّا أَوِ اعْتِقَادِيًّا، وَالْوَارِدُ فِي الْكِتَابِ الْعَزِيزِ وَالسُّنَّةِ الْمُطَهَّرَةِ مِنْ ذٰلِكَ الْبَابِ فِي غَايَةِ الْكَثْرَةِ ...... وَأَهْلُ الْبِدَعِ؛ فَمُعْظَمُ تَعْظِيمِهِمْ تَعْظِيمٌ مُّحْدَثٌ كَشَدِّ الرِّحَالِ إِلٰى قَبْرِ الرَّسُولِ، وَالْفَرَحِ بِلَيْلَةِ وِلَادَتِهِ، وَقِرَاءَةِ الْمَوْلِدِ، وَالْقِيَامِ عِنْدَ ذِكْرِ وِلَادَتِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَتَقْبِيلِ الْإِبْهَامِ عِنْدَ قَوْلِ الْمُؤَذِّنِ : أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ

اللّٰهِ، وَالتَّمَثُّلِ بَيْنَ يَدَيْهِ قِيَامًا، وَطَلَبِ الْحَاجَاتِ مِنْهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَالنَّذَرِ لَهُ، وَمَا ضَاهَاهَا، وَأَمَّا التَّعْظِيمَاتُ الثَّابِتَةُ؛ فَهُمْ عَنْهَا بِمَرَاحِلَ.

''ہم تمام اہل حدیث رسول اکرم ﷺ کی ہر وہ تعظیم بجالاتے ہیں، جو قرآنِ کریم اور سنت ثابتہ میں وارد ہے، خواہ وہ تعظیم فعلی ہو، قولی ہو یا اعتقادی۔ قرآن عزیز اور سنت مطہرہ میں اس طرح کی بہت زیادہ تعظیم موجود ہے۔۔۔ لیکن اہل بدعت کی تعظیم کی حد یہ ہے کہ وہ لوگ کوئی بدعت جاری کر لیتے ہیں، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک کی طرف شد رحال، ولادت رسول کی رات جشن، مولد کی قرائت، آپ ﷺ کی ولادت کے ذکر کے وقت قیام کرنا، اذان میں مؤذّن کے أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ کہنے کے وقت انگوٹھے چومنا، آپ ﷺ کی قبر مبارک کے سامنے بت بن کر کھڑے ہونا، آپ ﷺ سے حاجات طلب کرنا اور آپ ﷺ کے نام کی نیاز دینا وغیرہ۔ یہ لوگ قرآن وسنت کی ثابت شدہ تعلیمات سے کوسوں دور ہیں۔''

(صِيانة الإنسان عن وسوسة دحلان، ص 244)

⑩ مفتی صاحب لکھتے ہیں:

''صوفیا فرماتے ہیں کہ عشق کا بدلہ دیدار الٰہی ہے۔''

(تفسیر نور العرفان، ص172)

مفتی صاحب لکھتے ہیں:

''موسیٰ علیہ السلام کا طلب دیدار کرنا عشق الٰہی کی بنا پر تھا۔''

(تفسیر نور العرفان، ص162)

صوفیا کی یہ بات درست نہیں۔ اللہ تعالیٰ روز قیامت اپنے مؤمن بندوں کو اپنا دیدار کرائے گا۔ عشق جیسا لفظ مقدس ہستیوں کے لیے استعمال کرنا مناسب نہیں۔

❁ علامہ ابن ابی العز حنفی رحمہ اللہ (۷۹۲ھ) فرماتے ہیں:

اَلْعِشْقُ : وَهُوَ الْحُبُّ الْمُفْرِطُ الَّذِي يُخَافُ عَلٰى صَاحِبِهٖ مِنْهُ، وَلٰكِنْ لَّا يُوصَفُ بِهِ الرَّبُّ تَعَالٰى وَلَا الْعَبْدُ فِي مَحَبَّةِ رَبِّهٖ، وَإِنْ كَانَ قَدْ أَطْلَقَهٗ بَعْضُهُمْ، وَاخْتُلِفَ فِي سَبَبِ الْمَنْعِ، فَقِيلَ : عَدَمُ التَّوْقِيفِ، وَقِيلَ غَيْرُ ذٰلِكَ، وَلَعَلَّ امْتِنَاعَ إِطْلَاقِهٖ أَنَّ الْعِشْقَ مَحَبَّةٌ مَّعَ شَهْوَةٍ.

''عشق حد درجہ کی محبت کو کہتے ہیں کہ جس میں عاشق پر کئی خطرات وخدشات ہو سکتے ہیں۔ لیکن رب تعالیٰ کو اس لفظ سے متصف نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی بندے کی اللہ سے محبت پر عشق کا لفظ بولا جا سکتا ہے، اگر چہ بعض نے استعمال بھی کیا ہے۔ (اللہ کی محبت پر) اس لفظ کی ممانعت کی وجہ میں اختلاف ہے، ایک قول کے مطابق کہ یہ لفظ شرعا ثابت نہیں، کئی اور اقوال بھی ہیں۔ ممکن ہے کہ ممانعت کی (ایک) وجہ یہ بھی ہو کہ عشق اس محبت کو کہتے ہیں جس میں شہوت پائی جائے۔''

(شرح العقيدة الطّحاوية، ص 165)

عشق جھوٹی محبت کا نام ہے۔ دیدار الٰہی انہیں نصیب ہوگا، جن کے پاس شرعی محبت ہوگی۔

⑪ مفتی صاحب سورت مائدہ (٦) کے تحت لکھتے ہیں:

''معلوم ہوا کہ وضو میں نیت شرط نہیں، سنت ہے۔''

(تفسیر نور العرفان، ص171)

اہل سنت کے نزدیک وضو عبادت اور دین ہے۔ اس سے گناہ معاف ہوتے ہیں، درجات کی بلندی نصیب ہوتی ہے۔ عبادات میں نیت و ارادہ شرط ہے۔

❁ مشہور حدیث ہے:

''اعمال کا مدار نیتوں پر ہے۔''

جو لوگ وضو میں نیت کو شرط نہیں سمجھتے، وہ تیمّم میں نیت کو شرط سمجھتے ہیں، حالانکہ وضو اصل ہے اور تیمّم اس کی فرع ہے۔ جب فرع میں نیت شرط ہے، تو اصل میں کیوں نہیں؟

⑫ مفتی صاحب لکھتے ہیں:

''امام حسین رضی اللہ عنہ نے کربلا میں تیمّم سے نمازیں پڑھیں، حالانکہ دریائے فرات سامنے تھا، کیونکہ آپ وہاں پہنچنے پر قادر نہ تھے۔''

(تفسیر نور العرفان، ص171)

اس حوالے سے کوئی مستند روایت نہیں ملی۔ کسی کے بارے میں بغیر دلیل کے بات کرنا، علمی آداب کے منافی ہے۔

⑬ مفتی صاحب لکھتے ہیں:

''غیر خدا سے مدد لینا جائز ہے۔''

(تفسیر نور العرفان، ص169)

مدد دو طرح کی ہوتی ہے؛ فوق الاسباب اور تحت الاسباب۔ تحت الاسباب مدد اس زندہ شخص سے لی جاسکتی ہے، جو اس پر قدرت رکھتا ہو، یہ انسانی ضرورت ہے۔ یہ مدد زندوں سے مانگی جاسکتی ہے، مردوں سے نہیں، کیونکہ مردہ اس پر قادر نہیں۔ اس آیت میں اسی کا ذکر

ہے، کہ تحت الاسباب امداد ایک دوسرے سے لے سکتے ہو، لیکن صرف نیکی وتقویٰ کے لیے۔

جبکہ فوق الاسباب مدد صرف اللہ تعالیٰ سے طلب کی جا سکتی ہے، اس مدد کے لیے غیر اللہ کی پکار شرک ہے۔

❀ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾(الفاتحة : ٥)

''ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔''

⑭ مفتی صاحب لکھتے ہیں:

''حضور ﷺ نے فرمایا: اے جابر! تم اس بیماری میں مرو گے نہیں، چنانچہ انہیں صحت ہوئی کہ سرکار لوگوں کی موت وزندگی سے خبردار ہیں۔''

(تفسیر نور العرفان، ص167)

ان الفاظ کے ساتھ یہ روایت مسند احمد (۳/۳۷۲) اور سنن ابی داود (۲۸۸۷) وغیرہما میں آتی ہے۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ ابو الزبیر محمد بن مسلم بن تدرس مکی مدلس ہیں، سماع کی تصریح نہیں کی۔ لہٰذا اس روایت کی بنیاد پر نبی کریم ﷺ کے لیے لوگوں کی موت وحیات سے باخبر ہونے کا عقیدہ پیش کرنا درست نہیں۔ کسی کی موت وحیات کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ نبی کریم ﷺ نے جس کی موت کے بارے میں خبر دی ہے، وہ وحی سے دی ہے۔

⑮ مفتی صاحب سورت نساء (۱۶۶) کے تحت لکھتے ہیں:

''معلوم ہوا کہ فرشتے بھی ہمارے رسول کا کلمہ شہادت پڑھتے ہیں، بلکہ قیامت میں سارے رسول، ہمارے رسول ﷺ کا کلمہ پڑھیں گے۔''

(تفسیر نور العرفان، ص165)

یہ آیت کی معنوی تحریف ہے۔ اللہ کے فرشتوں اور رسولوں پر افترا ہے، نبی کریم ﷺ کے حق میں غلو ہے۔ یاد رہے کہ پہلی قومیں غلو کی وجہ سے ہلاک ہو گئیں تھیں۔

❁ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِيَّاكُمْ وَالْغُلُوَّ فِي الدِّينِ، فَإِنَّمَا أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمُ الْغُلُوُّ فِي الدِّينِ.

''دین میں غلو سے بچیں، پہلی قوموں کو دین میں غلو نے ہلاک کر دیا۔''

(سنن النّسائي : 3057، وسندهٗ صحيحٌ)

⑯ مفتی صاحب لکھتے ہیں:

''یاد رہے کہ چار پیغمبر زندہ ہیں، دو زمین میں؛ حضرت خضر والیاس اور دو آسمان میں؛ حضرت عیسیٰ وادریس۔''

(تفسیر نور العرفان، ص163)

بے ثبوت بات ہے۔ اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمانوں پر زندہ ہیں اور قرب قیامت نزول فرمائیں گے۔

چار پیغمبروں کے زندہ ہونے کے حوالے سے دو اسرائیلی روایات آتی ہیں۔ دونوں کی سندیں سخت ضعیف ہیں۔

❁ ایک روایت کعب احبار رحمہ اللہ سے منقول ہے۔

(تاریخ ابن عساکر : 207/9)

سند سخت ضعیف ہے۔

① مکحول شامی کا کعب احبار سے سماع معلوم نہیں۔

② ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ بن سلیمان خراسانی کی توثیق معلوم نہیں۔

③ ابوحصین، محمد بن اسماعیل بن محمد تمیمی مجہول ہے۔

④ علی بن عاصم واسطی جمہور کے نزدیک ضعیف ہے۔

❀ دوسری روایت تفسیر ثعلبی (۲۲/ ۴۱۸) میں آتی ہے، یہ جھوٹی اور اسرائیلی روایت ہے۔

① احمد بن حسن بن یزید قزوینی، ابن ماجہ کی توثیق نہیں ملی۔

② سعید بن ابی سعید بصری کے حالات زندگی نہیں مل سکے۔

③ علاء بجلی مجہول الحال ہے، سوائے ابن حبان رحمہ اللہ کے کسی نے توثیق نہیں کی۔

④ زید مولیٰ عون طفاوی کون ہے؟ معلوم نہیں۔

⑤ واقعہ کی خبر دینے والا آدمی مبہم و نامعلوم ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی کوئی حدیث منقول نہیں۔

⑰ مفتی صاحب لکھتے ہیں:

''رب نے کلمہ طیبہ میں اپنے نام کے ساتھ حضور کا نام ملایا، کہ اول جزو میں اللہ آخیر میں آیا اور دوسرے جزو محمد اول، تاکہ اللہ و محمد کے درمیان حرف کا فاصلہ بھی نہ رہے۔''

(تفسیر نور العرفان، ص161)

یہ غلو پر مبنی بے دلیل کلام ہے۔

⑱ مفتی صاحب لکھتے ہیں:

''معلوم ہوا کہ تمام دنیا حضور کے ملک کا ایک ادنیٰ حصہ ہے۔''

(تفسیر نور العرفان، ص152)

یہ نبی کریم ﷺ کی شان میں غلو ہے۔ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی ملک ہے، اپنی بادشاہی میں اس نے کسی کو شریک نہیں کیا۔

⑲ مفتی صاحب سورت نساء (۱۱۵) کے تحت لکھتے ہیں:

''معلوم ہوا کہ تقلید ضروری ہے کہ یہ عام مسلمانوں کا راستہ ہے، اس طرح ختم، فاتحہ، محفل میلاد، عرس بزرگان عامۃ المسلمین کے عمل ہیں اور مسلمان انہیں اچھا سمجھ کر کرتے ہیں، لہٰذا یہ بہتر ہیں۔''

(تفسیر نور العرفان، ص152)

تقلید بالاجماع علم نہیں، جہالت وضلالت ہے۔ لہٰذا قرآن سے جہالت وضلالت کا ثبوت فراہم کرنا، بذات خود جہالت وضلالت ہے۔ سبیل مومنین کو تقلید قرار دینا علمی انداز نہیں۔ سبیل مومنین سے مراد صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور ائمہ دین کا راستہ ہے اور اس میں فاتحہ، محفل میلاد، عرس بزرگان کا کوئی ذکر نہیں۔ اگر یہ چیزیں حق ہوتیں، وہ زیادہ حق دار تھے کہ انہیں اپناتے، ان کا ان سے ناواقف ہونا دلیل ہے کہ یہ حق نہیں، کیونکہ قرآن وحدیث کا صحیح علم وفہم سبیل مومنین میں منحصر ہے۔

⑳ مفتی صاحب سورت نساء (۱۰۸) کے تحت لکھتے ہیں:

''جو نبی کریم ﷺ کو اپنے پاس حاضر وناظر جانے، کبھی گناہ نہ کرے، اس آیت میں اشارۃً پتہ لگا کہ کوئی بھی حضور کی نگاہ سے چھپا ہوا نہیں۔''

(تفسیر نور العرفان، ص151)

یہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ نہیں۔ یہ غلو پر مبنی گمراہ کن عقیدہ ہے۔

❁ سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھا۔فرمایا: مغیرہ! (پانی والا) برتن پکڑیے۔ میں نے برتن پکڑ لیا۔

انْطَلَقَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى تَوَارٰى عَنِّي، فَقَضٰى حَاجَتَهٗ.

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم چلتے گئے حتی کہ مجھ سے چھپ گئے اور قضائے حاجت سے فارغ ہوئے۔''

(صحيح البخاري : 363، صحيح مسلم : 274)

کیا جو شخص دوسروں سے اتنا دُور ہو جائے کہ ان کی آنکھوں سے اوجھل ہو جائے، وہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہوتا ہے؟ عقلی طور پر بھی یہ محال اور ناممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر و ناظر ہوں، کیونکہ ہر جگہ میں تو گندگی اور غلاظت والی جگہیں بھی شامل ہیں، نیز لوگوں کی خلوت گاہیں اور ایسی جگہیں بھی شامل ہیں جن کو ایک عام مسلمان بھی دیکھنا پسند نہیں کرتا۔ کسی مسلمان کے لیے کیسے ممکن ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے پاس حاضر و ناظر ہوتے ہوئے اپنی زندگی کے سارے معاملات کو انجام دے سکے۔ بہت سے جائز معاملات ایسے ہیں کہ ایک مسلمان مر تو سکتا ہے، لیکن ان کو کسی دوسرے مسلمان بھائی کے سامنے بھی انجام نہیں دے سکتا، چہ جائیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر ہوتے ہوئے وہ ایسا کرے!!!

(۲۱) مفتی صاحب سورت نساء (۱۰۸) کے تحت لکھتے ہیں:

''اللہ کا علم و قدرت انہیں گھیرے ہے، کیونکہ اللہ کی ذات نہ محیط ہے، نہ محاط، وہ جگہ اور جگہ میں ہونے سے پاک ہے۔''

(تفسیر نور العرفان، ص151)

اہل سنت والجماعت کا اجماعی و اتفاقی عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق سے جدا عرش پر

بلند ہے، جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہے۔ جہمیہ کہتے ہیں کہ اللہ کی ذات نہ محیط ہے، نہ محاط، وہ کائنات میں نہ داخل ہے، نہ خارج، وہ لامکان ہے۔

بعض کا کہنا ہے کہ اللہ کی کوئی جہت قرار نہیں دی جا سکتی، ان کا خیال ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو جہت کے ساتھ موصوف کیا جائے، تو اس سے اللہ تعالیٰ کا جسم لازم آئے گا اور سب جسم تو باہم ایک جیسے ہیں، اس سے تمثیل لازم آئے گی، لہٰذا انہوں نے اللہ تعالیٰ کی جہت کا انکار کر دیا۔

ہم کہتے ہیں جہت کی نفی سے تو اللہ تعالیٰ کی نفی لازم آتی ہے، کیوں کہ ہم سوائے عدم کے اور کسی ایسی چیز سے واقف نہیں، جو نہ کائنات کے اوپر ہو، نہ نیچے، نہ دائیں ہو، نہ بائیں، نہ آگے ہو، نہ پیچھے، نہ متصل ہو، نہ منفصل۔ اس لیے بعض علما کا کہنا ہے کہ ہمیں کہا جائے اللہ تعالیٰ کو عدم سے موصوف کرو، تو عدم کے لیے جہت کی نفی سے زیادہ موزوں الفاظ نہیں ملیں گے۔

باقی یہ اعتراض کہ جہت کے اثبات سے تجسیم لازم آئے گی، تو یہ باطل ہے، کیونکہ یہ اعتراض تب ہو، جب ہم خالق اور مخلوق کی صفات میں مماثلت ومشابہت ثابت کریں۔

ہم اللہ تعالیٰ کی صفات کو ایسے ثابت کرتے ہیں، جیسے اس کی عظمت اور شان کے لائق ہے، ان کی کیفیت بیان نہیں کرتے اور نہ ہی مخلوق سے تشبیہ دیتے ہیں۔

کیا جسم سے آپ کی مراد وہ چیز ہے، جو مختلف چیزوں سے مل کر وجود میں آتی ہے، ان اجزا کے ملنے کے بغیر وہ چیز قائم نہیں رہ سکتی، تو اسے ہم بھی ثابت نہیں کرتے، جو کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے صفت علو کے اثبات سے تجسیم لازم آتی ہے، تو اس کا یہ دعویٰ باطل ہے۔

یہ دراصل سلف صالحین پر بے اعتمادی کا نتیجہ ہے، کیوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کو عرش پر مانتے

تھے، سلف پر بالواسطہ یا بلا واسطہ اعتراض کرنے والے حق پر نہیں ہو سکتے۔ ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی شایانِ شان صفات باکمال سے متصف ہے۔

یاد رہے یہ دعویٰ کہ اللہ ہر جگہ موجود ہے اور اللہ تعالیٰ کے لیے جہت ثابت نہیں، سراسر باطل دعویٰ ہے۔

۲۲ مفتی صاحب سورت نساء (۱۰۳) کے تحت لکھتے ہیں:

''فرض نماز کے بعد جو بلند آواز کلمہ طیبہ پڑھتے یا درود شریف پڑھتے ہیں، وہ جائز، بلکہ بہتر ہے۔ یہ آیت اس کا ماخذ ہے، بعد نماز بلند آواز سے ذکر کی بہت سی احادیث ہیں۔''

(تفسیر نور العرفان، ص150)

یہ آیت کریمہ کی معنوی تحریف ہے۔ قرآن کریم کی تفسیر نبی کریم ﷺ نے اپنے قول وفعل سے کی ہے۔ فرض نماز کے بعد بلند آواز سے کلمہ طیبہ پڑھنا بدعت ہے۔ نبی کریم ﷺ فرض نماز کے بعد باآواز بلند فقط اللہ اکبر کہتے تھے۔ نبی کریم ﷺ، صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور ائمہ دین سے فرض نماز کے بعد کلمہ طیبہ پڑھنا ثابت نہیں۔

بعد نماز بلند آواز سے ذکر کی وہ بہت سی احادیث کہاں ہیں؟

۲۳ مفتی صاحب سورت نساء (۱۰۳) کے تحت لکھتے ہیں:

''معلوم ہوا کہ سفر میں دو نمازیں جمع نہیں ہو سکتیں، کیونکہ ہر نماز کے لیے اس کا وقت ہے، قرآن سے ثابت ہے۔ جن احادیث میں دو نمازیں جمع کرنے کا ذکر ہے، وہاں جمع صوری مراد ہے، یعنی پہلی نماز آخر وقت میں اور دوسری نماز اول وقت میں ادا کی۔''

(تفسیر نور العرفان، ص150)

کسی محدث و امام سے آیت کریمہ کا یہ مفہوم و معنی ثابت نہیں۔قرآن کریم کے اس حکم سے جمع تقدیم و تاخیر کی استثنیٰ ہے۔

سفر وغیرہ میں جمع تقدیم اور جمع تاخیر اور جمع صوری تینوں جائز ہیں۔

❀ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَجْمَعَ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ فِي السَّفَرِ، أَخَّرَ الظُّهْرَ حَتّٰى يَدْخُلَ أَوَّلُ وَقْتِ الْعَصْرِ، ثُمَّ يَجْمَعُ بَيْنَهُمَا .

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں دو نمازوں کو جمع کرنے کا ارادہ فرماتے، تو ظہر کو اتنا لیٹ کر دیتے کہ عصر کا اول وقت داخل ہو جاتا، پھر دونوں نمازیں جمع کر لیتے۔''

(صحيح البخاري : 1112، صحيح مسلم : 704، واللّفظ لهٗ)

❀ اس حدیث کے تحت حافظ نووی رحمہ اللہ (٦٧٦ھ) فرماتے ہیں:

فِيهِ إِبْطَالُ تَأْوِيلِ الْحَنَفِيَّةِ فِي قَوْلِهِمْ : أَنَّ الْمُرَادَ بِالْجَمْعِ تَأْخِيرُ الْأُولٰى إِلٰى آخِرِ وَقْتِهَا وَتَقْدِيمُ الثَّانِيَةِ إِلٰى أَوَّلِ وَقْتِهَا .

''اس حدیث میں احناف کی تاویل کا رد ہے کہ جو کہتے ہیں: نمازوں کو جمع کرنے سے مراد یہ ہے کہ پہلی نماز کو آخری وقت تک مؤخر کرنا اور دوسری نماز کو اول وقت میں ادا کرنا۔''

(شرح مسلم : 5/213)

تنبیہ:

❁ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے:

إِذَا أَرَادَ أَنْ يَجْمَعَ بَيْنَ صَلَاتَيْنِ فِي السَّفَرِ أَخَّرَ الظُّهْرَ إِلٰى آخِرِ وَقْتِهَا، ثُمَّ صَلَّاهَا وَصَلَّى الْعَصْرَ فِي أَوَّلِ وَقْتِهَا.

''آپ رضی اللہ عنہ جب سفر میں دو نمازیں جمع کرنے کا ارادہ کرتے، تو ظہر کو اس کے آخری وقت تک مؤخر کر کے ادا کرتے اور عصر کو اس کے اول وقت میں ادا کرتے۔''

(مسند البزّار: 6458)

سند ضعیف ہے، محمد بن اسحاق کا عنعنہ ہے۔

اس میں جمع صوری کا ذکر ہے۔ ہمارے نزدیک بھی جمع صوری جائز ہے۔

۲۴ مفتی صاحب سورت نساء (۱۰۰) کے تحت لکھتے ہیں:

''معلوم ہوا کہ رب کی عبادت میں حضور کو راضی کرنے کی نیت عبادت کو مکمل کر دیتی ہے، شرک نہیں۔ ہجرت عبادت ہے، جس میں إِلَى اللّٰهِ وَرَسُولِهٖ فرمایا گیا۔'' (تفسیر نور العرفان، ص148)

عبادت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی کرنے کی نیت کرنا درست نہیں۔ اس پر کوئی شرعی دلیل نہیں۔ اسلاف امت ہرگز ایسا نہیں کرتے تھے۔ وہ عبادات کو اللہ کی رضا کے لیے خالص کرتے تھے، تمام اعمال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور محبت کو مدنظر رکھتے تھے۔

بے شک ہجرت عبادت ہے۔ اللہ کی طرف ہجرت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی رضا اور خوشنودی کے لیے ہجرت کی جائے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کرنے کا معنی یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور آپ کے دین کی نصرت کے لیے ہجرت کی جائے۔ ہجرت میں مقصود دنیا کا حصول نہ ہو۔

حدیث کا مفہوم یہ ہے: دنیا میں جس کی ہجرت اللہ کی رضا اور رسول اللہ ﷺ کی محبت میں ہوگی، آخرت میں اس کا اجر ثابت ہو جائے گا۔ اور جس کی ہجرت دنیاوی لالچ کے لیے ہوگی، اسے اس کا اجر دنیا میں ہی حاصل ہو جائے گا، آخرت کے اجر سے محروم رہے گا۔

۲۵ مفتی صاحب لکھتے ہیں:

''حضرت علی کے لیے فاطمہ زہرہ کی موجودگی میں دوسرا نکاح حرام فرما دیا۔''

(تفسیر نورالعرفان، ص142)

نبی کریم ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لیے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی موجودگی میں دوسرا نکاح حرام قرار نہیں دیا۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی موجودگی میں دوسرا نکاح جائز تھا، صرف نبی کریم ﷺ یہ نہیں چاہتے تھے کہ ابو جہل، جو کہ اللہ کا دشمن تھا، کی بیٹی اور اللہ کے نبی کی بیٹی ایک انسان کے نکاح میں جمع ہوں۔

❀ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

إِنِّي لَسْتُ أُحَرِّمُ حَلاَلاً، وَلاَ أُحِلُّ حَرَامًا، وَلٰكِنْ وَاللّٰهِ لاَ تَجْتَمِعُ بِنْتُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَبِنْتُ عَدُوِّ اللّٰهِ أَبَدًا .

''میں حلال کو حرام نہیں کر سکتا، نہ حرام کو حلال کر سکتا ہوں، مگر اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ کی بیٹی اور اللہ کے دشمن کی بیٹی کبھی جمع نہیں ہو سکتیں۔''

(صحيح البخاري: 3110، صحيح مسلم: 2449)

اس فرمان کے مطابق سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لیے سوائے ابو جہل کی بیٹی کے دوسرا نکاح جائز اور حلال تھا۔

(۲۶) مفتی صاحب لکھتے ہیں:

''حضرت سراقہ کو سونے کے کنگن پہنا دیے۔''

(تفسیر نور العرفان، ص142)

یہ روایت دلائل النبوۃ للبیہقی (۶/ ۳۲۵) میں آتی ہے۔اس کی سند ضعیف ہے۔

(۱) یونس بن عبید کا عنعنہ ہے۔

(۲) حسن بصری کا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں۔

۲۷۔ مفتی صاحب سورت نساء (۸۱) کے تحت لکھتے ہیں:

''اس سے معلوم ہوا کہ محبوب بندوں کے کام خود رب کے کام ہیں، نامہ اعمال لکھنا فرشتوں کا کام ہے، رب نے فرمایا: اللہ لکھتا ہے۔ایسے ہی اللہ کے کام کو اس کے خاص بندے کہہ دیتے ہیں کہ یہ ہمارا کام ہے، عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں باذن اللہ مردے زندہ، بیمار اچھے کرتا ہوں، حضرت جبرئیل نے فرمایا کہ اے مریم! میں تجھے بیٹا بخشوں گا، حالانکہ یہ کام رب کے ہیں۔''

(تفسیر نور العرفان، ص142)

فرشتے نامہ اعمال اللہ کے حکم سے لکھتے ہیں۔ لکھنے کا عمل فرشتوں کا ہے، مگر چونکہ حکم اللہ کا ہوتا ہے، اس لیے اَلْاٰمِرُ کَالْفَاعِلِ کے تحت یہ اللہ تعالیٰ کے ہی کام ہیں۔

باقی رہا سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا مردے زندہ کرنا اور بیمار کو تندرست کرنا، تو وہ ان کا معجزہ تھا، جو اللہ کے حکم سے تھا۔

جبریل علیہ السلام نے مریم علیہا السلام کے پاس آ کر جو یہ کہا ہے کہ میں تجھے بیٹا بخشوں گا، اہل علم نے اس کے دو مفہوم بیان کیے ہیں؛

① جبریل علیہ السلام نے خود کو اللہ کا قاصد بتلایا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں تجھے بیٹا عطا کروں۔ اس اعتبار سے بیٹا عطا کرنے والا اللہ ہی ہے، مگر جبریل سبب ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ بعض قرائتوں میں لِأَهَبَ کی بجائے لِيَهَبَ کے الفاظ ہیں، جس کے مطابق معنی یہ ہوگا: ''میں تمہاری طرف اللہ کا قاصد ہوں، تا کہ وہ (اللہ) تمہیں بیٹا بخشے۔''

② دوسرا معنی یہ ہے کہ ''میں بیٹا عطا کروں'' سے مراد اللہ تعالیٰ ہی ہے اور آیت کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام لے کر آیا ہوں: ''اے مریم! میں تیری طرف اپنا قاصد بھیج رہا ہوں، تا کہ میں تجھے بیٹا بخشوں۔''

دونوں معانی ہی صحیح ہے۔ لِأَهَبَ کا نحوی فاعل جبریل کو قرار دیں یا اللہ تعالیٰ کو۔ حقیقی فاعل بہر کیف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور جبریل محض سبب ہیں۔

معلوم نہیں مفتی صاحب ایسی باتیں کر کے ثابت کیا کرنا چاہتے ہیں؟ اگر ان کا مقصد اللہ تعالیٰ کے علاوہ غیر سے حاجت روائی اور مشکل کشائی کا جواز کشید کرنا ہے، تو یہ ہرگز جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی کارساز ہے۔

❀❀❀❀❀❀❀